Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا تھا، اعجاز نے اُس کی جانب زیادہ توجہ نہ دی تھی۔

"السلام علیکم،" وہ آدمی بولا۔ وہ اپنی بائیسکل تھامے کھڑا تھا۔ اُس نے پتلون کے پائینچے لپیٹ کر اُن کے گرد کلپ چڑھائے ہُوئے تھے تاکہ پتلون سائیکل کی چین میں اُلجھنے نہ پائے۔ اعجاز نے موٹر سائیکل پہ بیٹھے بیٹھے سلام کا جواب دیا۔

"میں 'بہ بانگ دہل' کا مستقل خریدار تھا،" وہ شخص بولا۔ "میں عدالتی کاروائی کے دوران بھی موجود تھا۔ میرے دِل میں آپ کے لِئے اِنتہائی احترام کے جذبات ہیں۔ میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہُوں۔"

"جی،" اعجاز نے کہا۔ "فرمایئے۔"

"ذرا باہر سڑک تک تشریف لے جا سکتے ہیں؟ آپ کو تکلیف تو ہوگی۔ مگر پانچ سات مِنٹ کی بات ہے۔ میں آگے آگے چلتا ہُوں۔" یہ کہہ کر جواب کا اِنتظار کئے بغیر وہ سائیکل پہ سوار ہو کر تیز تیز چلاتا ہوا عدالت کے احاطے سے نِکل گیا۔ اعجاز ہلکی رفتار سے موٹر سائیکل پر اُس کے پیچھے روانہ ہوا۔ سڑکوں پر اِدھر اُدھر دو تین موڑ کاٹنے کے بعد بائیسکل سوار ایک ایسی تنگ سی سڑک پہ پہنچا جس کے ایک جانب کچھ کھلی زمین تھی اور دُوسری جانب مکان بنے تھے۔ سڑک کا نقشہ ویران تھا۔ سائیکل روک کر اُس نے آگے پیچھے دیکھا۔ کوئی آدمی دِکھائی نہ دے رہا تھا۔ جیسے ہی اعجاز نے اُس کے پاس پہنچ کر موٹر سائیکل روکی، اُس شخص نے بائیسکل کے ہینڈل کے ساتھ لٹکا ہوا ایک سفید رنگ کا پلاسٹک کا عام سا تھیلا اُتارا اور اعجاز کی جانب بڑھا دیا۔

"یہ کچھ کاغذات ہیں،" وہ بولا۔ "دستاویزات ہیں جو کسی ذریعے سے میرے پاس پہنچی ہیں۔ میں ایک معمولی آدمی ہوں، اِنہیں رکھنے کا اہل نہیں ہُوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے زیادہ اِن کا کوئی حقدار نہیں ہے۔ غالباً آپ کو بھی اِن سے دِلچسپی ہوگی۔"

اعجاز نے اُس کے ہاتھ سے لفافہ لیا ہی تھا کہ اُس کے غیر معمولی وزن سے ایک ایک لحظے کے لِئے اُس کا ہاتھ لٹک گیا۔ لفافہ سنبھالتے سنبھالتے اُس نے دیکھا کہ دوسرا آدمی جواب کا اِنتظار کئے بغیر سائیکل پہ سوار ہو کر چل دیا تھا۔

"بات تو سنیئے،" اعجاز نے آواز دی۔ "آپ کی تعریف۔۔۔۔"

اُس آدمی نے یوں ظاہر کیا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سڑک چھوڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر دائیں جانب بنے ہُوئے مکانوں کی گلیوں میں داخل ہوا اَور مُڑتا مڑاتا ہوا غائب ہو گیا۔

اعجاز کچھ دیر تک حیرت سے اُسے نظروں سے اوجھل ہوتے ہُوئے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے لفافے کا مُنہ کھول کر اندر جھانکا۔ سینکڑوں ٹائپ شدہ کاغذات کا ایک بنڈل دھاگے کی مدد سے بندھا رکھا تھا۔ اُس نے لفافے کا مُنہ بند کر کے اُسے گانٹھ دی اَور مضبوطی سے اپنے پیچھے کیریئر پر جما دیا۔ گھر پہنچ کر اُس نے لفافے کو کھولے بغیر اپنی میز کے ایک دراز میں رکھ دیا۔ اُس کے ذہن پر کہیں زیادہ اہم معاملات کا بوجھ پڑا تھا۔

رات کو سوتے وقت اعجاز نے سکینہ سے بات کی۔

"ہو سکتا ہے میں جائیداد اَور کاروبار تقسیم کر دوں۔"

"سرفراز کا حساب تو تُم نے پہلے ہی الگ رکھا ہوا ہے،" سکینہ نے کہا۔

"حساب کی بات نہیں کر رہا۔ قانونی طور پہ حصے الگ کر کے اپنا حصہ تیرے اور لڑکوں کے نام لگا دوں۔"

"پہلے کاروبار جداد کی کون رکھوالی کرتا ہے، ہیں؟ ایک میری جان ہے۔ تمہیں تو بکار کے کاموں سے فرصت نہیں ملتی۔ اب کیا ضرورت پڑ گئی ہے؟"

"مقدمہ شاید ہمارے خلاف چلا جائے،" اعجاز نے آدھی بات چھپاتے ہُوئے کہا۔

"ہائے،" سکینہ چارپائی پہ لیٹی تھی، اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ "جیل ویل جانے کی بات تو نہیں؟"

"تُو تو بس کدھر کی کدھر پہنچ جاتی ہے۔ میں کہہ رہا ہوں شاید ہمارے خلاف فیصلہ ہو جائے۔"

"شید کا کیا مطلب۔ میں تمہارے شید کو جانتی ہُوں۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ مقدمہ ہار گئے ہو۔"

"دیکھ، آرام سے میری بات سن، زیادہ چھلانگیں نہ لگا۔ میں کہہ رہا ہوں کہ ---- وہ ایک لفظ ہوتا ہے حفظ ماتقدم، اس کا مطلب ہوتا ہے ----"

"مجھے پتا ہے۔ اس کا مطلب ہوتا ہے پہلے سے انتظام کر لینا۔"

"ہاں۔ اصل میں یہ مقدمے نہ جلدی جلدی ہارے جاتے ہیں نہ جیتے جاتے ہیں۔ قانون کے رستے لمبے ہیں۔ ویسے تو میں اِس وقت قانونی طور پر جائیداد کو اِدھر اُدھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کرسکتا۔ مگر ایک رستہ ہے۔"

"وہ کیا ہے؟"

"سرفراز اَور تُم حق شفع کر کے جائیداد تقسیم کرا لو۔"

"ساری عمر تمُہاری گزُر گئی ہے بکار کی مقدمے بازی کرتے ہُوئے۔ کوئی گھر برادری کا مقدمہ ہو تو پھر بھی کوئی بات ہے، لوگوں میں عزت بنتی ہے، چار آدمی ساتھ چلتے ہیں، بندے ڈیرے پر آتے جاتے ہیں۔ تمُہارے مقدمے خُدا جانے کدھر سے آتے ہیں، کدھر کو چلے جاتے ہیں۔ پیسے کا اُجاڑ، وقت کا اُجاڑ۔ نہ گھر کا پتا، نہ لڑکوں کی کوئی خبر۔۔۔"

"کیوں، لڑکوں نے دسویں پاس کرلی ہے، اَور تو کیا چاہتی ہے؟"

"اِسی بات کو تو رو رہی ہُوں۔ تمُہیں کیا خبر کہ کیا ہو رہا ہے؟"

"کیا ہو رہا ہے؟ بتا تو سہی۔"

"عالمگیر کے پاس بیٹھے رہتے ہیں۔"

"اِس میں کیا حرج ہے؟"

"اُس نے ہمارے لڑکوں کو آگے لگایا ہوا ہے۔ اُن کی جیب میں پیسے ڈالتا ہے، کپڑے بھی لشٹم پشٹم بنوا کر دیتا ہے۔ تُم نے نہیں دیکھے؟"

"میں سمجھا تو بنوا کر دیتی ہے۔"

"واہ، میں نے تمُہارے لِئے کبھی بوسکی کی قمیض نہیں بنوائی تو اُنہیں بنوا کر دوں گی؟ اگلے دِن دروازہ بند کر کے اندر بیٹھے بندوقوں کی باتیں کر رہے تھے۔ میرے کان میں آواز پڑی تو میں نے پُوچھا کیا بات کر رہے ہو؟ حسن نے کہا، کچھ نہیں بی بی۔ میں نے زور دے کر پُوچھا تو حسینا اُچھل کر بولا، کچھ بھی نہیں بی بی، آپس میں باتیں کر رہے ہیں، اَور میرے آگے دروازہ بند کر دیا۔ میری تو پھر ہمت نہیں ہُوئی کہ دروازہ کھول کر کوئی بات کروں۔"

"تو نے مجُھے کیوں نہیں بتایا؟" اعجاز نے غصے سے پُوچھا۔

"میں نے نہیں بتایا۔ تُم خواہ مخواہ طیش میں آ جاتے ہو۔"

"میں بدمعاشوں کو دُرست کردُونگا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب تُم چھلانگیں مارنے لگے ہو۔ احتیاط سے بات کرنا، لڑکے جوان ہو گئے ہیں، اب بچے نہیں رہے۔ میرے خیال میں تو تُم ملک جھنگیر سے ملو، ابھی اُس میں کچھ سانس باقی ہیں، وہ بیٹے کو سمجھا دے گا۔"

"بس اب تو یہ بات میرے اُوپر چھوڑ دے۔ مجُھے پتا ہے کیا کرنا ہے۔"

چند مِنٹ کے بعد اعجاز نے سکینہ کے سینے پہ ہاتھ رکھا تو اُس نے اعجاز کا ہاتھ اُٹھا کر پرے کر دیا۔

"پہلے جداد میرے نام لگا، پھر ہاتھ چلانا،" سکینہ بے تکلفی سے بولی۔

"یہ بات ہے؟ میری بلی اَور مجھی کو میاؤں؟"

"پھر میرے کان میں تیری کسی کمی کمین شہن کی آواز پڑی تو تجُھے بے دخل کر دوں گی۔"

"ٹھہر جا، پہلے میں تجُھے بے دخل کروں۔"

اعجاز نے چادر کے نیچے سکینہ کو دبوچ لیا۔

صبح سویرے بدیع الزمان کا بھتیجا اعجاز کو بلانے گھر پہ آ پہنچا۔ "چاچا بیمار ہے،" اُس نے صرف اِتنا کہا۔ اعجاز نے اُس سے کچھ مزید تفصیلات معلوم کر کے لڑکے کو چلتا کیا اور خود ناشتہ کرتے ہی ہسپتال کی راہ لی۔ ہسپتال کے برآمدوں میں دو بچے کھیلتے ہُوئے ایک دُوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ وارڈوں میں لائف بوائے صابن کی طرح کی مخصوص بو پھیلی تھی۔ اعجاز پُوچھتا ہوا اندر پہنچا تو پتا چلا کہ بدیع الزمان اِنتہائی نگہداشت کے وارڈ میں تھا۔ وارڈ کے باہر برآمدے میں اُس کے سب عزیز جمع تھے۔ اُس کی بیوی اور دو بڑے بچے، بڑا بھائی فصیح الزمان اَور اُس کا بیٹا، شیخ سلیم اَور وسیم، شمس اَور دو تین دُوسرے لوگ جنہیں اعجاز نہ جانتا تھا، برآمدے کے بنچوں پہ بیٹھے یا پاس کھڑے ہوئے تھے۔ اعجاز کو دیکھتے ہی شیخ سلیم اُس سے لپٹ گیا۔

"ہم تو مارے گئے ملک صاب،" وہ بسورتا ہوا بولا، "بدی کو دِل کا دورہ سخت پڑ گیا ہے۔ مشینیں لگی ہُوئی ہیں۔ گیس بھی لگی ہُوئی ہے۔ اندر جانے کی اجازت نہیں۔"

"اوہو،" اعجاز نے کہا۔ "کوئی بھی اندر نہیں گیا؟"

"اونہوں،" شیخ سلیم سر ہلا کر بولا۔ "دروازے میں شیشہ لگا ہوا ہے۔ وہاں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دکھائی دیتا ہے۔"

اعجاز نے کمرے میں قدم رکھا تو ایک مرد نرس اُسے دیکھ کر بولا، "آپ ابھی اندر نہیں جا سکتے۔ آپ اِن کے عزیز ہیں؟"

"جی ہاں۔ میں صرف دروازے سے ایک نظر دیکھنا چاہتا ہُوں۔"

نرس توقف سے بولا، "دیکھ لیں۔"

بدیع الزمان کے دونوں جانب ٹیوبیں اَور نالیاں پیوند تھیں اَور ناک پر آکسیجن کا کھوپا چڑھا تھا۔ وہ سیدھا پُشت پر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ ایک بازو کے ساتھ ڈرپ لگی تھی۔ دوسری جانب دو نالیاں تھی جو ای۔سی۔جی۔ مشین کو جاتی تھیں۔ مریض میں زندگی کے کوئی آثار دکھائی نہ دے رہے تھے۔ اعجاز دروازے سے پلٹ آیا۔

"کونسے ڈاکٹر صاحب کے زیر علاج ہیں؟" اعجاز نے نرس سے پُوچھا۔

"کارڈیالوجسٹ، ڈاکٹر سعد اللہ خان۔ صبح دیکھنے آئے تھے۔ اب راؤنڈ پر ہیں۔ راؤنڈ ختم کر کے پھر آئیں گے۔"

"اِس وقت کونسے ڈاکٹر صاحب موجود ہیں؟"

"ڈیوٹی ڈاکٹر عرفان صاحب ہیَں۔"

"وہ کہاں ملیں گے؟"

"ابھی یہاں سے ہو کر گئے ہیَں۔ شاید اپنے آفس میں ہوں۔ وہ سامنے والے کوریڈور میں تیسرے نمبر پر کمرہ ہے۔ باہر بورڈ لگا ہے۔"

ڈاکٹر عرفان کے کمرے کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ اُس کی میز کے گرد دو تین دوسرے نوجوان ڈاکٹر بیٹھے تھے۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ کسی موضوع پر گرما گرم بحث ہو رہی تھی۔ اعجاز دروازے کے اندر قدم رکھ کر رُک گیا۔ تمام ڈاکٹر خاموش ہو کر اُسے دیکھنے لگے۔ اعجاز نے ڈاکٹر عرفان کے سفید کوٹ پہ لگا نام کا لیبل پڑھا۔

"میں بدیع الزمان صاحب کو دیکھنے آیا تھا،" اُس نے ڈاکٹر عرفان کو مخاطب کر کے کہا۔

"جی۔ اُن کا علاج ہو رہا ہے،" ڈاکٹر نے مختصراً جواب دیا۔

"اُنہیں دِل کی تکلیف ہُوئی ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں۔ لیفٹ وینٹریکولیر فیلیور ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب،" اعجاز نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پُوچھا۔ "اس کا کیا مطلب ہے؟"

ڈاکٹر کے لبوں پہ تھکی ہُوئی سی مسکراہٹ پیدا ہُوئی۔ "دِل کی بائیں جانب کا حصہ کام کرنا چھوڑ گیا ہے۔"

"یعنی اُنہیں باقاعدہ ہارٹ اٹیک ہوا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"ڈاکٹر صاحب، معذرت خواہ ہوں، آپ کا وقت لے رہا ہُوں۔ مگر یہ بتا سکتے ہیں کہ اِس کی وجہ کیا تھی؟"

"اُن کا بلڈ پریشر ایک سو پچاس اَور دو سو سے اُوپر تک پہنچ چکا تھا۔ سموکنگ کی وجہ سے اُن کی سانس کی نالی میں پہلے ہی رکاوٹ تھی۔ پھیپھڑوں میں پانی بھرنا شُروع ہو چکا ہے۔ شریانوں کی سختی اَور سڑلیس اصل وجہ ہے۔" پھر اعجاز کے چہرے پہ فکرمندی کے آثار دیکھ کر بولا۔ "ہم جو کچھ کر سکتے ہیں کر رہے ہیں۔"

"اُن سے ملا جا سکتا ہے؟" اعجاز نے توقف سے پُوچھا۔

"ابھی تو نہیں۔ سیڈیشن میں ہیں۔ کچھ دیر میں ہمارے کنسلٹنٹ اُنہیں دوبارہ دیکھنے آئیں گے۔ اُن سے ایڈوائیس لے کر شاید آپ سب ایک آدھ مِنٹ کے لِئے ایک ایک دو دو کر کے اُن سے مِل سکیں۔ آپ چاہیں تو اِنتظار کر لیں۔"

اعجاز جا کر بدیع الزمان کے گھر والوں کے پاس کھڑا ہو گیا۔ دو بنچوں پر عورتیں اَور بچے بیٹھے تھے۔ فصیح الزمان کی بیوی اَور چند بچے بھی آ پہنچے۔ ایک بنچ کے کونے سے دو نو عمر لڑکوں نے اُٹھ کر اعجاز کے لِئے جگہ خالی کر دی۔ اعجاز 'نہ، نہ' کرتا ہوا آخر مردوں کے اِصرار کرنے پر وہاں بیٹھ گیا۔ سب نے متوقع نظروں سے اُسے دیکھا، جیسے وہ ڈاکٹر سے کوئی اُمید افزا خبر لے کر آیا ہو۔ اعجاز کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا بات کرے۔ آخر اُس نے کہا۔ "ابھی ڈاکٹر دُوسری بار پھر دیکھنے آئے گا۔ نگہداشت بہت اچھی ہو رہی ہے۔"

کسی نے جواب نہ دیا۔ سب خاموش بیٹھے اَور کھڑے تھے۔ اعجاز کے آنے سے پہلے اُن کی تھوڑی بہت باتیں ختم ہو چکی تھیں۔ وقفے وقفے پر بدیع الزمان کی بیوی کے سینے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ہلکی سی سسکی نما آواز پیدا ہوتی، پھر خاموشی چھا جاتی۔

"کس وقت تکلیف ہُوئی تھی؟" اعجاز نے دوبارہ بات کرنے کی سعی کی۔

"رات کے ایک بجے۔" فصیح الدین نے جواب دیا۔

"خراب وقت تھا۔"

"ہاں۔ کوئی سواری بھی دستیاب نہ تھی۔ ہمسائے بڑے نیک لوگ ہیں۔ اُن کو جگایا، اُنہوں نے اپنے کسی عزیز کو فون پر اطلاع دی تو وہ لوگ اپنی کار لے کر آئے۔ ہم اُن کے بے حد احسان مند ہیں۔"

اسی اِثناء میں بدیع الزمان کی بہن اَور بہنوئی بھی آ پہنچے۔ عورتوں نے آپس میں گلے لگ کر رونا شُروع کر دیا۔ فصیح الزمان نے تنبیہہً کہا، "چپ کر جاؤ برا شگون ہے۔ اللہ نے چاہا تو دو دِن کے اندر اُٹھ کر بیٹھ جائے گا۔ اب دعا کا وقت ہے۔ دعا کرو۔"

آدھے گھنٹے کے بعد کنسلٹنٹ کارڈیالوجسٹ اپنے سفید کوٹوں والے قافلے کے ساتھ آ پہنچا۔ اُس کے ہمراہ ڈیوٹی ڈاکٹر عرفان کے علاوہ ایک مرد اَور ایک عورت ڈاکٹر، اَور چند نوجوان لڑکیاں لڑکے تھے جو زیر تربیت نرسیں یا ڈاکٹر دکھائی دیتے تھے۔ اُنہیں دیکھ کر بدیع الزمان کے آدھے سے زیادہ عزیز و اقارب اُٹھ کھڑے ہوئے، جیسے وہ گروہ کوئی تریاق اُٹھائے ہُوئے وارد ہوا ہو۔ ڈاکٹر اپنے ساتھیوں کو لِئے اندر داخل ہو گیا۔ جو لوگ اُٹھ کھڑے ہُوئے تھے اُن میں سے ایک دو بیٹھ گئے، باقی کے خاموشی سے کھڑے رہے یا سر جھکائے چھوٹے چھوٹے قدموں سے اِدھر اُدھر چلنے پھرنے لگے۔ سب پہ ایک نیم ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ اعجاز جا کر دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پندرہ یا بیس منٹ کے بعد ڈاکٹروں کا گروپ اندر والے کمرے سے نِکلا، چند مِنٹ تک باہر والے کمرے میں رُکا رہا، پھر نِکل کر برآمدے سے ہوتا ہوا دُوسری جانب مڑ گیا۔ صرف ڈاکٹر عرفان کمرے میں رُکا رہ گیا۔ وہ کچھ کاغذات ہاتھ میں لِئے نرس کے ساتھ کھڑا کوئی بات کر رہا تھا۔ پھر اُس نے کاغذ نرس کو پکڑا کر دروازے کی جانب دیکھا۔ دروازے پر آ کر وہ اعجاز سے بولا، "اب ان کی حالت بہتر ہے۔ سیڈیشن کچھ کم ہُوئی ہے۔ آپ مِل سکتے ہیں۔ مگر دو ایک مِنٹ سے زیادہ ان کے پاس رکنا مناسب نہیں، اَور ایک وقت میں دو یا تین سے زیادہ کا کراؤڈ نہ ہو تو بہتر ہے۔ پانچ سات مِنٹ میں فارغ کر دیں۔ کل کا اِنتظار کریں، حالت مزید بہتر ہو گئی تو پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ دیر تک مِل سکتے ہیں۔" وہ واپس جا کر نرس کی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ "سب سے پہلے،" وہ سر اُٹھا کر بولا، "اُن کے بیوی بچوں کو بھیجیں، مریض پر اچھا اثر ہوگا۔ اَور اُنہیں ہدایت کر دیں کہ بہت زیادہ جذبات کا مظاہرہ نہ کریں تو اچھا ہے۔"

دس مِنٹ کے اندر تین تین، چار چار لوگ نرس کے ہمراہ اندر گئے اَور پلٹ آئے۔ اُن کے چہروں پہ اُسی طرح رنج کی چھاپ تھی، مگر ہلکی سی طمانیت کے آثار بھی تھے۔ آخر میں اعجاز اندر گیا۔ ڈاکٹر اَور نرس کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اِس ملاقات کو ختم کرنے کے خواہشمند تھے۔

"میں ایک دو مِنٹ سے زیادہ نہ لوں گا" اعجاز نے معذرت کے انداز میں ڈاکٹر سے کہا۔

بدیع الزمان اعجاز کو دیکھ کر مسکرایا۔ اُس کا رنگ زرد اَور جلد بے جان سی لگ رہی تھی۔ اُس نے ناک اَور مُنہ سے آکسیجن کا کھوپا اُتار کر ماتھے پہ جمایا۔ اعجاز نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آہستہ سے دبایا اور اُسے پکڑ کر کھڑا رہا۔ کئی سیکنڈ تک وہ دونوں خاموشی سے ایک دُوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر اعجاز نے کہا،

"ڈاکٹر کہتا ہے ہلہ آیا تھا، گزر گیا ہے۔ اب ایک دو روز کی بات ہے۔"

بدیع الزمان نے کوئی جواب نہ دیا، ٹکر ٹکر اعجاز کو دیکھتا رہا۔ اُس کی نگاہوں میں سینکڑوں سوال و جواب تھے۔

"بس اب جلدی سے تندرست ہو جائیں بدی صاحب،" اعجاز خوشدلی پیدا کرنے کی کوشش میں بولا۔ "ابھی تو ہم نے بڑے معرکے مارنے ہیں۔"

بدیع الزمان کے چہرے سے مسکراہٹ اچانک غائب ہو گئی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اَور کونوں کے راستے کنپٹیوں پہ بہنے لگے۔ "کیسے معرکے اعجاز،" وہ کمزور سی آواز میں بولا، "میں تو بس 'طلوع' والے بھڑووں کو دکھانا چاہتا تھا۔ سب انا کا کھیل ہے بھائی۔"

اعجاز چند سیکنڈ تک چپ چاپ کھڑا حیرت سے اُسے دیکھتا رہا، پھر اُس کا ہاتھ دباتے ہُوئے بولا، "بھائی بدیع، مایوسی کی باتیں نہ کرو۔ خواجہ معراج اب رُکنے والا نہیں۔ اَور نہ ہی ہم پیچھے ہٹنے والے ہیں۔ بس آپ ایک دفعہ اپنے پیروں پہ اُٹھ کھڑے ہوں، پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھیں ہم کیا کھیل کھیلتے ہیں۔"

بدیع الزمان کی سانس سینے کے اندر شاں شاں کرنے لگی اور اُس کی چھاتی ہلکے ہلکے جھٹکوں کے ساتھ اُٹھنے اور بیٹھنے لگی۔ نرس نے جلدی سے آکسیجن کا کھوپا ماتھے سے کھینچ کر اُس کے مُنہ پہ جمایا اور گیس کے سلنڈر پہ نصب چھوٹے سے پہیے کو آہستہ سے گھما کر پریشر دُرست کیا۔ پھر نرس نے آنکھ کے اِشارے سے اعجاز کو جانے کا اشارہ کیا۔ اعجاز آخری بار بدیع الزمان کا ہاتھ گرمجوشی سے دبا کر کمرے سے نِکل گیا۔

"ڈاکٹر صاحب،" اُس نے باہر کے کمرے میں رُک کر پُوچھا۔ "صحتیابی کے کیا چانس ہیں؟"

ڈاکٹر ایک مِنٹ تک اُسی طرح بیٹھا اپنے آگے رکھے کاغذوں کو اُلٹا پلٹتا رہا، جیسے اُس نے سنا ہی نہ ہو۔ پھر سر اُٹھا کر بولا، "کل رات کو تو ففٹی ففٹی تھے۔ اب بہتر ہے۔ ہم سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر رہے ہیں۔"

بدیع الزمان کی بیوی اور بھائی کو وہاں دِن رات ٹھہرنے کی اجازت مِل گئی تھی۔ کمرے سے نِکل کر اعجاز نے اُن سے کہا، "ڈاکٹر نے کہا ہے دو تین روز میں تندرست ہو جائیں گے۔ خطرے کا وقت اللہ کے فضل سے گزُر گیا ہے۔ فکر کی ضرورت نہیں۔"

ہسپتال کے باہر باقی کے لوگ بچوں سمیت کھڑے، واپس جانے کے لِئے سواریوں کا انتظام کر رہے تھے۔ اعجاز نے اُن سے بھی یہی بات کہہ کر رخصت لی۔

"کل صبح آؤں گا،" اُس نے شیخ سلیم سے کہا۔

اگلے روز اعجاز ہسپتال پہنچا تو بدیع الزمان کے ملنے والوں کا جمگھٹ لگا تھا۔ کئی رشتہ دار دُوسرے شہروں سے آ پہنچے تھے۔ بنچوں پہ آج کوئی نہ بیٹھا تھا، سب ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر بے ترتیب سے دائرے کے اندر کھڑے تھے۔ بدیع الزمان کی بیوی اور بہن چپکے چپکے آنسو بہاتی ہُوئی بار بار آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔ ایک عمر رسیدہ عورت اُنہیں دلاسہ دیتی جا رہی تھی۔

"اجاز صاب،" شیخ سلیم اُسے دیکھے ہی سرگوشی میں بولا، "بدی کی حالت خراب ہو گئی ہے۔"

"کیوں، کیا ہوا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیخ سلیم اعجاز کو بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ "بھائی فہمی تو اِدھر ہی تھا۔ فجر کی اذان کے وقت پر سانس اُلٹی ہو گئی۔ بھائی فہمی کہتا ہے کہ مشین کی سوئی پہلے اس طرح ناچنے لگی تھی جیسے دماغ ہی خراب ہو گیا ہو، پھر ایک دم ہولی ہوتی ہوئی تقریباً رُک گئی۔ ڈاکٹر نرسیں سب دوڑے۔ سانس والی مشین لے کر آئے اَور وہ لگا دی۔ اب بناوٹی سانس بدی کی باڈی کے اندر جا رہا ہے۔ پھر کچھ دیر کے بعد یہاں سے،" اُس نے رانوں کے بیچ اشارہ کر کے بتایا، "ایک نالی اندر داخل کی اَور اُس کے سرے پر پلاسٹک کا بیگ باندھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں گردے کام چھوڑ رہے ہیں۔ ہا۔۔۔۔" شیخ سلیم رونے لگا۔ "بچارہ مشینری سے چل رہا ہے۔ اجاز بھائی، کیا خیال ہے؟ ڈاکٹر تو اب ہم سے بات بھی نہیں کرتے۔ نہ ہی کسی کو اندر جانے دیتے ہیں۔ خُود ہی اندر باہر آتے جاتے ہیں۔ کیا خیال ہے۔۔۔۔"

"اللہ رحم کرے گا شیخ صاحب،" اعجاز نے تسلی دی۔ "بڑے بڑے ڈاکٹروں کے ہاتھوں میں ہے، فکر کی کوئی بات نہیں۔ حوصلہ رکھو۔ آخر کوئی معمولی آدمی تو نہیں، اخبار کا مالک ہے۔ آج کل تو تُمہیں پتا ہے مقدمے کے سلسلے میں ہر روز اخباروں میں ذِکر آتا رہتا ہے۔ بلکہ بدیع کی بیماری کی خبر بھی چھپ گئی ہے۔"

"اچھا؟" شیخ سلیم نے رونا بند کر کے پُوچھا۔

"ہاں، اَور کیا؟"

"تصویر کے ساتھ؟"

"ہاں ہاں،" اعجاز نے تسلی کی خاطر جھوٹ موٹ کہہ دیا۔

"پھر تو بڑی پزیشن ہے بھائی اجاز۔ ڈاکٹروں کو تصویر دکھانی چاہئے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اِنہیں پتا ہے۔ ڈاکٹر اتنی آسانی کے ساتھ اِس سے ہاتھ نہیں اُٹھائیں گے۔ حوصلہ رکھو۔"

اتنے میں خواجہ معراج بھی آ پہنچا۔ آتے ہی اُس نے پُوچھا۔ "کیا صورت ہے؟"

"ٹھیک نہیں،" اعجاز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اوہو۔ کیا ہوا؟"

اعجاز نے تفصیل بیان کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں،" خواجہ معراج نے کہا۔

"ڈاکٹر اپنا کام کر رہے ہیں خواجہ صاحب۔ کوئی فائدہ نہیں۔"

"تم رُکو تو سہی۔ بات کرنے میں کیا حرج ہے۔"

خواجہ معراج کمرے میں داخل ہو کر ہولے ہولے قدم دھرتا ہوا آگے بڑھا۔ کمرے میں دو جونیئر ڈاکٹر اور دو نرسیں کھڑی تھیں۔ ایک صفائی کرنے والی عورت گیلے کپڑے سے فرش چمکا رہی تھی۔ ڈاکٹر اور نرسیں آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ اندر والے کمرے کے دروازے کے شیشے کے بیچ سے ایک نرس مریض کے بستر کے آس پاس دکھائی دے رہی تھی۔ خواجہ معراج کی جانب کسی نے دھیان نہ دیا۔ وہ خاموشی سے جا کر ڈاکٹروں کے پاس رُک گیا۔ آدھا منٹ گزر گیا تو ایک ڈاکٹر نے سر موڑ کر اکتائی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھا۔ خواجہ معراج نے وکیلوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ اُس نے اپنے سیاہ کوٹ کے دامن کو ہاتھوں سے ذرا سا کھینچ کر سیدھا کیا۔ ٹائی پہ اعتماد سے اُنگلیاں پھیرتے ہُوئے وہ ڈاکٹر سے مخاطب ہوا۔ ایک دو جملوں کے بعد ہی ڈاکٹر نے بات ختم کر کے اُس کی طرف پُشت کر لی۔ خواجہ معراج وہاں سے پلٹ آیا۔ باہر نِکل کر اُس نے بدیع الزمان کے گھر والوں کو مخاطب کر کے کہا،

"حالت سنبھل رہی ہے۔ میں نے ڈاکٹر سے بات کی ہے۔"

"اچھا جی؟" شیخ سلیم نے پُوچھا۔ "کیا کہتے ہیں؟"

"میں نے بتایا ناء، حالت سنبھل رہی ہے۔ مکمل علاج ہو رہا ہے۔ اِنشاء اللہ صحت ہو گی۔" پھر خواجہ معراج اعجاز کو بازو سے پکڑ کر اُن سے دور لے گیا۔ "اعجاز، تم سے کیا چھپاؤں۔ اِن لوگوں سے میں نے دِل رکھنے کو بات کر دی ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے وہ اِس وقت کچھ نہیں بتا سکتا۔ مریض کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ سب کچھ کر رہے ہیں۔ بیٹابلاکرز تک دے رہے ہیں۔"

"وہ کیا ہوتے ہیں؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"جان بچانے کی دوا ہوتی ہے۔" خواجہ معراج نے جیب سے رومال نکال کر ماتھے کا پسینہ پونچھا۔ "میں چاہتا تھا ایک دفعہ بدیع سے بات کر لوں، بتا دوں کہ اپیل تیار ہو چکی ہے۔ قانون کے مطابق کاروائی شروع کرنے والا ہُوں۔ سب کچھ ہماری فیور میں ہے۔ اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک بار بدیع کو یہ بتا دیتا تو اُس پہ اچھا اثر ہوتا، اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا۔ "خواجہ معراج ایک لحظے کو رُکا۔" سمجھ گئے ناء اعجاز؟ مقدمہ میرے قابو میں ہے۔ میں تو ایک بار اِنتظار کو دکھانا چاہتا تھا کہ مقدمہ کیسے لڑا جاتا ہے۔ پیسے چڑھانے کے باوجود اُس کے پیروں تلے سے زمین نِکل جاتی۔ نکال کے دکھاؤنگا، تُم فکر نہ کرو، اَیسا سبق دونگا کہ عمر بھر اِس مقدمے کو یاد رکھے گا۔ اچھا، میری اب کورٹ میں پیشی ہے۔ شام کو پھر پتا کرونگا۔" یہ کہہ کر خواجہ معراج وہاں سے رخصت ہوا۔

آدھ گھنٹہ گزُر گیا۔ بنچ پر تین چار بچوں اَور عورتوں کے علاوہ کوئی نہ بیٹھا، سب کھڑے کھڑے باتیں کرتے یا اِدھر اِدھر چل پھر کر وقت کاٹتے رہے۔ پھر دفعتاً اندر کمرے سے باتوں کی آواز آئی، تیز تیز قدموں کی چاپ پیدا ہُوئی، اَور ساتھ ہی ایک بھگدڑ مچ گئی۔ کسی برقی آلے نے نیں نیں کی آواز پیدا کرنی شُروع کر دی۔ برآمدے کے کسی دُوسرے کمرے میں کسی ڈاکٹر کا جیبی آلہ تیزی سے پیں پیں کرنے لگا۔ دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آنے لگیں۔ برآمدے کے کمروں سے دو ڈاکٹر اَور دو نرسیں نمودار ہوئیں اَور چاروں بھاگتے ہُوئے بدیع الزمان کے کمرے میں داخل ہُوئے۔ گھر والے سب لوگ دروازے پر جمع ہو گئے۔ دو تین نے اندر گھسنے کی کوشش کی تو ایک مرد نرس نے اُن کا رستہ روک کر دروازہ بھیڑ دیا، مگر لوگوں کے دباؤ سے اِس کا ایک پٹ ذرا سا کھلا رہا۔ نرس اُسے مضبوطی سے تھامے ہُوئے وہیں پہ کھڑا رہا۔ بدیع الزمان کے عزیزوں میں متوحش آوازوں کی ایک لہر اُٹھی۔ "ہائے میرے اللہ، رحم کر،" بہن نے کہا۔ "کیا ہو گیا ہے،" فصیح الزمان نے سختی کے ساتھ نرس سے سوال کیا۔ "کچھ ہمیں بھی بتاؤ۔ یہ بھاگ دوڑ کیسی ہے؟"

"کچھ نہیں ہوا،" نرس نے جواب دیا۔ "ڈاکٹر مریض کو دیکھ رہے ہیں۔ آپ یہیں ٹھہریں۔"

"یہی ٹھہریں، یہیں ٹھہریں، کیوں یہیں ٹھہریں؟ تُمہارے لِئے وہ مریض ہے، میرا وہ بھائی ہے۔ میں مطالبہ کرتا ہوں کہ بتایا جائے یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"صبر کریں بھائی جان،" نرس بولا، "میں کوئی ڈاکٹر تو نہیں ہوں، زیرِ تربیت نرس ہُوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں میں اندر بھی نہیں گیا، آپ کے سامنے کھڑا ہُوں۔ میں آپ کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ نہیں بتا سکتا۔ ابھی ڈاکٹر صاحبان باہر آئیں گے تو سب کچھ بتا دیں گے۔"

نرس نے ہجوم کے عقب میں دیکھا تو فوراً سامنے سے لوگوں کو ہٹا کر رستہ بنانے لگا۔ برآمدے میں کنسلٹینٹ چلا آ رہا تھا۔ دروازے میں کھڑے ہوئے سب لوگ اُس کے آگے سے ہٹ گئے۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہونے لگا، بدیع الزمان کی بیوی ہاتھ جوڑ کر اُس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "ڈاکٹر صاحب،" وہ روتی ہوئی بولی، "ان کی جان بچا لیں۔ مجھے اَور کچھ نہیں چاہیے۔"

ڈاکٹر نے ٹھٹک کر اُسے دیکھا۔ "بی بی،" وہ بولا، "اگر آپ یہاں سے ہٹ جائیں تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔" اَور اندر چلا گیا۔

"ڈاکٹر صاحب خفا ہوں گے،" نرس نے اِن لوگوں سے کہا۔ "مجھے دروازہ بند کر لینے دیں۔"

فصیح الزمان دروازے سے مڑا۔ "چلو بھئی، ہم یہاں کھڑے کچھ نہیں کر سکتے۔ اِن لوگوں کو اپنا کام کرنے دیں۔"

آہستہ آہستہ لوگ پیچھے ہٹنا شروع ہوئے۔ دباؤ کم ہوا تو نرس نے دروازہ بند کر دیا۔ دروازہ بند ہونے سے پہلے اعجاز نے، جو اَیسے مقام پہ کھڑا تھا جہاں سے اندر والا کمرہ دکھائی دیتا تھا، ایک نظر دیکھا کہ اُس کمرے کا دروازہ کھلا ہے اَور ایک ڈاکٹر نے بدیع الزمان کی چھاتی ننگی کی ہے اَور سینے پہ پورے زور سے دھپ دھپ کر کے چپت رسید کر رہا ہے اَور کبھی دونوں ہاتھوں سے اُس کی چھاتی پہ اپنے بدن کا پورا وزن ڈال کر دبا رہا ہے۔ پھر دروازہ بند ہو گیا۔

اُس کے بعد جو آدھ گھنٹہ گزرا وہ اَیسا تھا کہ ایک ایک منٹ گھنٹے کے برابر لگا۔ بنچوں پر سے بچے اب اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اَور دیواروں کے ساتھ لگ کر کھڑے اپنے بڑوں کی جانب منہ اُٹھائے ہوئے یا کھڑکیوں میں کھڑے ایڑیاں اُٹھائے باہر دیکھ رہے تھے۔ مرد ہاتھ پیچھے باندھے، سر جھکائے، پانچ دس قدم کے اندر اندر چکر کاٹتے ہوئے ایک دُوسرے سے ٹکراتے جا رہے تھے۔ عورتیں ایک دُوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے خشک سوگوار آنکھوں سے بند دروازے کو دیکھ رہی تھیں۔ کوئی کسی سے بات نہ کر رہا تھا۔ جو بھی منہ کھولتا وہ سر اُٹھا کر اُوپر دیکھتا اَور زبان سے اللہ کا نام لیتا۔ مرد آگے پیچھے چلتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے بار بار کلائی کی گھڑیوں پہ نظر ڈالتے، جیسے کسی معین وقت کے اِنتظار میں ہوں، گو کوئی معین وقت اُن کے سامنے نہ تھا۔ ان کی گھڑیوں کی سوئیاں کبھی اِتنی بیکار نہ چلی تھیں۔

آخر دروازہ کھلا۔ سب کے سب ہلہ کر کے دروازے پر گئے۔ مگر جونیئر ڈاکٹر نے فصیح الزمان کو اِشارے سے اندر بلایا اَور دروازہ بند کر دیا۔ تین چار مِنٹ کے بعد دروازہ کھلا اور فصیح الزمان ماتھے پہ ہاتھ مارتا ہوا باہر نِکلا۔ اُس نے اپنی بہن اَور بدیع کی بیوی کو بازوؤں میں سمیٹ کر اپنے ساتھ لگالیا اَور اُن کے سروں پہ اپنا چہرہ رکھ کر رونے لگا۔ اُس کا سارا جسم ہل رہا تھا۔ اعجاز نے دروازے سے اندر دیکھا۔ بدیع الزمان کے بدن سے سب ٹیوبیں اَور نالیاں اتار دی گئی تھیں اَور وہ سفید چادر سے ڈھکا پڑا تھا۔ اِرد گرد کہرام مچا تھا۔ اعجاز سر کو ہاتھوں میں لے کر بنچ کے ایک کونے پر بیٹھ گیا۔

"ہائے تمہارا وکیل تھا؟" سکینہ نے پُوچھا۔

"سو بار تو تجھے بتایا ہے۔ اخبار کا مالک تھا۔"

"مجھے کیا پتا۔ کل سے تُم نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ تُمہارے مشکل مشکل ناموں والے بندے مجھے کب یاد رہتے ہیں۔ نہ میں نے دیکھے نہ سنے۔ بچارے کے بیوی بچے تھے؟"

اعجاز نے اِثبات میں سرہلایا۔

"ہائے بچارہ۔ جنازہ پڑھ آئے ہو؟"

"نہیں،" اعجاز تیزی سے بولا، "کھیت میں پھینک کر آ گئے ہیں۔"

سکینہ نے روٹی پکاتے پکاتے رُک کر اُسے دیکھا۔ "تُمہیں تو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ ہر وقت بدمزاجی کرتے رہتے ہو۔"

اعجاز اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب سے اعجاز واپس گھر آیا تھا اُس وقت سے وہ ایک سکتے کی حالت میں تھا۔ نہ اُس کے دِل میں کوئی بات ٹھہرتی تھی نہ دِماغ میں۔ زیرِ سطح ایک ہیجان کی لہر تھی جس کے اُوپر اُوپر سکوت کی چادر تنی تھی۔ وہ دو مختلف دنیاؤں کے بیچ تیر رہا تھا۔ اُس کا دایاں اَور بایاں بازو، الگ الگ، اِن دو دھاروں سے رگڑ کھا کر اپنی اپنی برقی رو پیدا کر رہا تھا، جو اعجاز کے اندر سے گزرتی ہُوئی اُس کے بدن کے پردے اُدھیڑتی چلی جا رہی تھی۔ اُس کی نظر کے سامنے دنیا کی اصل حقیقتیں واضح طور پر عیاں ہو رہی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی روزمرہ کی باتوں سے اُس کی توجہ اُٹھتی جا رہی تھی۔ جن بنیادوں پہ اُس نے اپنی زندگی کی عمارت تعمیر کی تھی، بدیع الزمان کی موت نے اُن میں دراڑیں ڈال دی تھیں۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے فالتو چڑھی ہُوئی تہیں ایک ایک کر کے اُس کے جسم سے اُتر رہی ہوں اَور اُس کی نگاہیں دور تک مار کرتی جا رہی ہوں۔ پچھلی رات کو بھی وہ کھانا کھانے کے بعد دیر تک اپنے کمرے میں بیٹھا رہا تھا، مگر آدھی رات کے وقت سونے کو گھر کے اندر چلا گیا تھا۔ آج وہ اپنے کمرے میں گیا تو کافی دیر تک دروازہ بند کر کے وہیں بیٹھا رہا۔ سکینہ کھانے دانے سے فارغ ہو کر بیٹھی انتظار کرتی رہی۔ جب آدھی رات ہونے کو آئی اَور اعجاز کے آنے کا کوئی نشان دکھائی نہ دیا تو سکینہ جمائیاں لیتی ہُوئی اپنی پیڑھی سے ہڑبڑا کر اُٹھ کھڑی ہُوئی۔ صحن پار کر کے اُس نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اعجاز کرسی پہ بیٹھا کہنیاں میز پہ ٹکائے، سر کو ہاتھوں میں لئے یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے سو رہا ہو۔ مگر دروازے کی آواز سنتے ہی اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ اُس کی آنکھیں سرخ تھیں اَور سر کی حرکت سے معلوم ہوتا تھا جیسے کئی من کا بوجھ اُس کے کندھوں پہ رکھا ہو۔

"روٹی ٹھنڈی ہو گئی ہے،" سکینہ نے کہا۔ "یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟"

"بھوک نہیں ہے،" اعجاز نے جواب دیا۔

"سارا دِن خوار ہوتے رہے ہو۔ کچھ کھایا پیا بھی ہے؟"

"اونہوں،" اعجاز سر ہلا کر بولا۔

"پھر نیند کیسے آئے؟ پیٹ میں کچھ ڈالو تو آنکھ بھی آرام کرے۔"

اعجاز نے جواب دیئے بغیر دوبارہ سر کو ہاتھوں پہ رکھ کر اُنگلیوں سے دھانپ لیا۔ سکینہ دروازہ کھلا چھوڑ گئی اَور دو چار مِنٹ میں توے پر روٹیاں گرم کر کے، ہانڈی سے گرم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سالن پلیٹ میں ڈال کر لے آئی۔

"یہ لو،" وہ چنگیر میز پہ رکھ کر بولی۔ "اِتنا غم کس کام کا؟ موت تو بندے کا سایہ ہوتی ہے۔ مگر جب تک جان ہے اُس کا دھیان کرنا اللہ کا حکم ہے۔ کچھ کھالو۔"

اعجاز نے جواب نہ دیا تو سکینہ پلٹ کر گئی اَور باورچی خانے سے ایک خالی پلیٹ اُٹھا لائی جو اُس نے سالن والی پلیٹ پر اوندھی کر کے رکھ دی۔

"روٹیاں دسترخوان میں لپیٹ دی ہیں، گرم رہیں گی،" وہ جاتے جاتے بولی، "جب بھوک لگی کھالینا۔ فاقے سے کمزوری ہو جاتی ہے۔"

اعجاز کو وقت کا ہوش نہ تھا۔ اُس کے اعصاب کا صدمہ جو بدیع الزمان کی موت سے شُروع ہوا تھا، اب پھیل کر کسی اَور ہی کیفیت میں داخل ہو چکا تھا، جس میں بہت سی آگے پیچھے کی باتیں شامل ہو گئی تھیں۔ پُرانی پُرانی اَور بیچ کے وقت کی اَور موجودہ باتیں آپس میں اِس طرح گھل مِل گئیں تھیں کہ وقت کا وجود ان کے اندر معدوم ہو گیا تھا۔ اُسے محسوس ہوتا تھا کہ ساری باتیں ایک ہی لحظے میں، ایک ہی مقام پر قائم و دائم تھیں۔ جب اُس نے سر اُٹھایا تو رات کے ڈھائی بجے تھے۔ اُس نے ایک نظر کلائی کی گھڑی اَور دوسری کھانے کی چنگیر پہ ڈالی، ہاتھ بڑھا کر دسترخوان کے اندر ٹٹولا تو روٹیاں ٹھنڈی ہو کر اکڑ چکی تھیں۔ اُس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ کرسی پہ بیٹھا وہ چند مِنٹ تک دیوار کے ساتھ بچھی چارپائی کو دیکھتا رہا۔ پھر جا کر اُس پہ لیٹ گیا۔ کافی دیر تک وہ سوتا جاگتا ہوا کروٹیں بدلتا رہا، مگر فجر کی اذان سے ذرا پہلے گہری نیند سو گیا۔

اِس جکڑ سے اعجاز آخر بدیع الزمان کے سوئم والے روز آزاد ہوا جب اُس نے دیکھا کہ اِس نچلے طبقے کے رہائشی علاقے کی ایک خستہ گلی میں جہاں بدیع الزمان کا گھر تھا، زمین پر میلی اَور کٹی پھٹی کرائے کی دریاں بچھی تھیں، اَور اُن دریوں پر سفید دُھلے ہوئے کپڑے پہنے شہر بھر کے نامور صحافی اَور اُن کے مشہور و معروف دانشور لکھاری بیٹھے، بھنے ہُوئے چنے اَور کھجور کی گٹھلیوں کو ہاتھوں میں رولنے کا خود کار عمل کرتے ہوئے، آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ صحافت کی دنیا میں اعجاز کی زندگی کا بہت کم حصہ گزُرا تھا مگر جو گزُرا تھا اُس دوران بھی وہ زیادہ تر اپنے گھر اَور زمینداری کے کاروبار میں مصروف رہا تھا۔ چنانچہ صحافت کی برادری کے اِن لوگوں کو اعجاز نے اُن کی تصویروں وغیرہ سے پہچانا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر جیسے ہی وہ وہاں پہنچ کر ایک کونے میں بیٹھا، کئی جانے پہچانے اَور اجنبی لوگوں نے دور ر سے ہاتھ اُٹھا کر سلام کیا، گویا اُس کے واقف کار ہوں۔ اعجاز نے جھجکتے ہُوئے جواب میں ہاتھ اُٹھایا۔ قل شریف اَور دعا کے بعد سب اُٹھ کھڑے ہُوئے تو ایک ایک کرکے یہ لوگ اعجاز کے پاس آئے۔ اُنہوں نے گرمجوشی سے اعجاز کے ساتھ مصافحہ کیا اَور اُس کی خیریت دریافت کی۔ اعجاز اُن میں سے بہت سوں کے ناموں سے واقف نہ تھا مگر اُن کی آنکھوں میں آشنائی اَور اپنائیت کی جھلک دیکھ کر اُس کا جی کچھ کچھ ٹھہرنے لگا۔ آخر میں روزنامہ 'طلوع' کے چیف ایڈیٹر نے اعجاز کے پاس رُک کر بات کی۔

"اِبتدا کے دو ایک ایشوز میں بدیع نے ہمارے بارے میں کچھ باتوں کا اشارۃ ذکر کیا تھا، جیسے مرحوم کو کوئی رنج ہو۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بدیع کے لِئے ہمارے دِل میں احترام اور محبت کے سوا اَور کچھ نہیں تھا۔ آپ کو علم ہو گا کہ مالکان کے لِئے اخبار ایک بزنس ہوتا ہے اَور اُن کے اصول مختلف ہوتے ہیں۔ ہم لوگ خُود عمر بھر کمپرومائیز کر کرکے بُرا بھلا رستہ نکالتے رہے ہیں اَور اب تھوڑی بہت عزت لِئے پھرتے ہیں۔ مگر بدیع ایک ہی بات پہ اڑا رہا، کہ اپنے اصولوں سے منحرف نہیں ہو گا۔ میں نے بذات خُود اُس کی منت کی کہ رک جاؤ، کوئی نہ کوئی رستہ نِکل آئے گا۔ مگر آخر میں وہ چھوڑ کر چلا ہی گیا۔ طبیعت کا بھی تیز تھا، مگر خُدا اُسے جنت میں جگہ دے، ایک پیور جرنلسٹ تھا۔ میں خود ایک تعزیتی نوٹ لکھ کر نمایاں جگہ پہ چھاپ رہا ہُوں۔ ہو سکتا ہے اداریئے کی شکل میں لکھوں۔"

اعجاز آہستہ سے ہنسا۔ "تعزیتی کالموں سے کیا ہوتا ہے زَیدی صاحب۔ بھائی بدیع الزمان تو اب دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اُسے کیا فرق پڑے گا۔"

"یہ ہمارا فرض ہے اعجاز صاحب، وہ ہمارے قبیلے کی ایک معزز ترین شخصیت تھی۔"

"اگر کچھ کرنا چاہتے ہیں تو پسماندگان کے لِئے کچھ مالی امداد کا بندوبست کریں۔" اعجاز نے کہا۔ "بھائی بدیع پر قرضے کا بھی کافی بوجھ چڑھ چکا ہے۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں،" زیدی پہلو بچانے کے انداز میں بولا، "میں اپنی آرگنائزیشن کو اپروچ کروں گا۔ اچھا، خدا حافظ۔"

زیدی مصافحہ کرکے رخصت ہوا تو خواجہ معراج، جو دور کھڑا دیکھ رہا تھا، اعجاز کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فارغ پا کر اُس کے پاس آیا اَور اُسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ "میں تو بدیع کو صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ اِپیل تیار کر لی گئی ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ سن کر وہ اُٹھ بیٹھتا۔ کاش میں اُس کو یہ خوشخبری سنا سکتا۔ مگر اللہ کو کچھ اَور ہی منظور تھا۔"

اُن کے پاؤں تلے سے دریاں جو آدھی گلی میں بچھائی گئی تھیں، لپٹی جا رہی تھیں۔ جگہ جگہ پر بھنے چنے اَور کھجور کی گٹھلیاں بکھری پڑی تھیں۔ اعجاز جواب دیئے بغیر کھڑا خواجہ معراج کی بات سنتا رہا، جو اپنے آپ میں مگن بولتا جا رہا تھا۔

"مجھے تو یہ دُکھ ہے کہ اِنتظار حسین میرے پنجے سے نِکل گیا۔ قسمت کا دھنی ہے، ورنہ ایسی مات دیتا کہ اُس کی ساری حکمت عملی دھری کی دھری رہ جاتی۔ ججوں کا ٹاؤٹ بن کر ریپوٹیشن بنا رکھی ہے۔ خیر ایک اَور کیس میرے پاس آیا ہے، اُس میں پھانس لوں گا۔ مجھ سے بچ کر کہاں جائے گا۔"

اعجاز چہرے پہ اتھاہ حیرت کا تاثر لئے، آنکھیں پھاڑے خواجہ معراج کو دیکھ رہا تھا۔ اُسے اپنی آنکھوں اَور کانوں پہ اعتبار نہ آ رہا تھا۔ خواجہ معراج باتیں کئے جا رہا تھا اور اعجاز سوچ رہا تھا کہ کیا یہ سب ان دو وکیلوں کے مقابلے کا کھیل تھا؟ پھر اُسے یاد آیا کہ بدیع الزمان کے لِئے بھی، اُس کے اپنے قول کے مطابق، یہ "طلوع" والوں کے ساتھ اُس کے مقابلے کا کھیل تھا۔ ساتھ ہی اعجاز نے ہلکی سی پشیمانی سے سوچا کہ اُس کے اپنے لِئے بھی کیا یہ صرف بشیر کو مات دینے اَور کنیز کو زور بازو دکھانے ہی کی لڑائی نہ تھی؟؟ "سب انا ء کا کھیل ہے بھائی،" بدیع الزمان کے آخری الفاظ اُس کے کانوں میں بدیع الزمان کی سانس کی مانند شاں شاں کرنے لگے۔

"سیدھا راستہ تو یہ ہے کہ اپیل کے ساتھ معافی نامہ داخل کر دیا جائے،" خواجہ معراج کہہ رہا تھا۔ "مگر ایک آسان رستہ ہے۔ قانون میں اس کی گنجائش ہے۔ فریقین کی رضامندی سے عدالت کا فیصلہ کالعدم کرنے کی درخواست دی جا سکتی ہے، جس کی مخالفت نہیں کی جائے گی۔ مگر اس سے پہلے ایک قدم اُٹھانا پڑے گا۔"

"وہ کیا ہے؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"پرچہ بند کرنے کا پریس میں اعلان کرنا پڑے گا۔"

"یہ کیوں ضروری ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بھائی ئی----" خواجہ معراج اعجاز کو بازو سے پکڑ کر غیر ضروری طور پہ مزید پرے لے گیا، "پرچہ عملی طور پہ تو اب بند ہو ہی چکا۔ شیخ سلیم اپنے نقصان پہ صبر شکر کرکے بیٹھ گیا ہے۔ ایڈیٹر اَور پروپرائٹر مر چکا ہے۔ پیسہ وَیسہ کوئی نہیں آئے گا۔ پرچہ چلائے گا کون؟ تُم ایک اچھے رپورٹر ثابت ہُوئے ہو، عبارت اچھی لکھ لیتے ہو۔ مگر تم اخبار نویس نہیں ہو۔ اِس بزنس کی الف بے کا تُمہیں پتا نہیں۔ یہ بھیڑیوں کا کچھار ہے بھیڑیوں کا، دو دِن میں تُمہیں ہڑپ کر جائیں گے۔ وہ بدیع ہی تھا جو اِتنے دِن نکال گیا، تیس سالہ تعلقات کی بنا پر لوگ اُسے اشتہارات وغیرہ خیرات کے طور پہ دے دیا کرتے تھے۔ میں قانونی مشیر کی حیثیت سے مشورہ دیتا ہوں کہ اب ایک ہی راستہ ہے، کہ جلد از جلد پرچہ بند کرنے کا اعلان کر دیا جائے۔ اَور یہ ڈیوٹی تُم ادا کرو۔"

"قانونی مشیر کی حیثیت سے آپ بھی پریس نوٹ جاری کر سکتے ہیں۔"

"کر سکتا ہُوں۔ مگر میں مناسب یہی سمجھتا ہوں کہ تُم کرو۔ مُجھے پریس میں کوئی نہیں جانتا۔ تُم آدھے پونے رپورٹر تو تھے ہی، مگر مقدمے کی وجہ سے پوری طرح پہچانے جا چکے ہو۔ تُمہاری بات میں ایک اتھارٹی ہوگی۔ اِزمیر والوں کی رضامندی کے لئے بھی ضروری ہے کہ یہ اعلان تُمہارے مُنہ سے ہو۔ اِس پہ تُمہیں کیا اعتراض ہے؟ بس دو تین بڑی اخباروں کے سٹی ڈیسک والوں کو مدعو کرکے مختصراً کہہ دیا جائے کہ ایڈیٹر پبلشر کی افسوسناک، افسوسناک کہنا ضروری ہے، بلکہ نہایت افسوسناک موت کی وجہ سے 'بہ بانگ دُہل' ہمیشہ کے لِئے بند کیا جا رہا ہے۔ اَور گول مول کرکے بات کر دینا، بلکہ بیان میں لکھ دونگا، کہ 'بہ بانگ دُہل' کی اشاعت کے تمام تر دورانیئے میں کسی شائع شدہ مواد کے باعث اگر کسی شخص یا ادارے کو دانستہ یا نادانستہ رنج پہنچا ہے تو ہمیں دِلی افسوس ہے جس کے لِئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ بس یہ کافی ہے۔ اِزمیر والوں کو اَور کیا چاہئے؟ نہ رہا بانس، نہ بجے گی بانسری۔ کل کا دِن چھوڑ دو، میں رپورٹروں سے رابطہ کرتا ہُوں۔ دو ایک بڑی اخباروں کے تراشے چاہئیں۔ زیادہ کی ضرورت نہیں۔ کل میں یہ انتظام کر دیتا ہوں۔ پرسوں صبح----" اونہوں،" خواجہ معراج نے اپنے آپ سے نفی میں سر ہلایا، "صبح کو پریس والے کہاں سے آئیں گے، بھڑوے بارہ بجے تو سو کر اُٹھتے ہیں۔ آفٹرنون ٹھیک ہے۔ دو بجے بلا لیتے ہیں۔ مگر تُم بارہ بجے پہنچ جانا۔ میں تُم اَور شیخ سلیم تینوں 'بہ بانگ دہل'

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دفتر میں اُن سے ملیں گے۔"

خواجہ معراج اعجاز کا بازو تھپتھپا کر رخصت ہوا۔

گو خواجہ معراج کی جانب سے اُسے مایوسی سی ہُوئی تھی، مگر بدیع الزمان کے سوئم پہ اِتنے سارے چیدہ چیدہ اخبار نویسوں کو موجود پا کر اَور پھر اپنے ساتھ اُن کا رویہ دیکھ کر اعجاز کے جی کو ڈھارس ہُوئی تھی اَور اُس کا مزاج قدرے کھل گیا تھا۔ تین چار دِن میں پہلی بار اُس نے گھر پہ سکینہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

"تُمھیں کچھ ہوش آئے تو لڑکوں کے ماملے پر ملک جھنگیر سے جا کر مِل آؤ۔ اُس کا کوئی پتا نہیں، آج ہے کل نہیں۔ عالمگیر بالکل ہی بے مہار ہو جائے گا۔"

"پرسوں شہر سے واپسی پر جاؤں گا۔" اعجاز نے کہا۔

"آج اخبار والے کا قل بھی ہو گیا ہے۔ اب شہر کیا کرنے جا رہے ہو؟"

"پرسوں مقدمہ بھی ختم ہو جائے گا۔"

"کیسے ختم ہو گا؟"

"نہ رہے گا بانس، نہ بجے کی بانسری۔"

"بجھارتیں نہ ڈالو، سچ سچ بتاؤ کیا ماملہ ہے۔"

"بھئی اخبار کا مالک مر گیا، اخبار بند ہو گیا، مدعیوں کو اَور کیا چاہئے۔ پرسوں ہم اِس بات کا اعلان کر دیں گے، معذرت بھی کر لیں گے۔ معاملہ ٹھپ۔"

"شکُر ہے۔ ایک اَور مصیبت ختم ہُوئی۔ اب کسی اَور کام میں ہاتھ نہ ڈال دینا۔"

"اب کونسا کام رہ گیا ہے۔"

"سب سے ضروری لڑکوں کا کام ہے۔ اُن کا دھیان کرو۔ ہاتھ سے نِکل جائیں گے۔"

"تجھے تو سب کچھ ہاتھ میں رکھنے کی فکر رہتی ہے۔ جوان لڑکے ہیں، زمانہ دیکھیں گے تو خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"باپ کے ہوتے ہُوئے اپنے آپ کوئی ٹھیک نہیں ہوتا۔"

"تو میں کہیں چلا جاؤں۔"

"کیا مطلب ہے؟"